اپنا ایک نظام تکوین ہے۔قضاء وقدر کا ایک مضبوط اور مربوط سلسلہ ہے، جو اسباب ومسببات اور علت ومعلول کے سلسلہ میں باہم جڑا ہوا مربوط ہے۔اللہ کی اس وسیع کائنات میں کوئی چیز بھی اچانک، حسن اتفاق یا سوء اتفاق یا کسی بھی اتفاقی سانحہ کے طور پر پیش نہیں آتی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَٰحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِٱلْبَصَرِ ۝﴾ [القمر ۴۹، ۵۰] (ما شاء اللہ!)

التراث: راقم بھی اس مسئلے میں آپ سے متفق ہے۔ پہلے ہی مجلہ التراث میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کسی بھی واقعے کو "اتفاقاً" کہنے کو غلط قرار دے کر اس کے بجائے "تقدیراً" کہنے کی تلقین کر چکا ہے۔

❁ صفحہ ۲۲۱:......لم یضروک بشیئ التراث: اس میں حرف استثناء گر گیا ہے۔لم یضروک إلا بشیئ اس حدیث کا مختصر حوالہ پیش خدمت ہے: [الترمذی ح:۲۵۱۶ وقال: حسن صحیح، مسند أحمد ح:۲۶۶۹]

❁ صفحہ ۲۴۷:ابن تیمیہؒ نے شاگرد ابن قیمؒ کے بکثرت اعتراضات پر فرمایا:"اپنے دل کو شکوک وشبہات کا اسفنج نہ بنائیے کہ پہلے انہیں چوس لیں اور پھر اگلنے لگیں۔ بلکہ ایک ٹھوس شیشہ قرار دیجیے کہ شبہات گزرتے جائیں، لیکن اس میں جاگزیں نہ ہو سکیں۔اس شیشے کی صفائی سے دل ان شکوک کو دیکھ لے اور اس کی صلابت وشدت دور پھینک دے۔اگر دل ہر شبہ کو قبول کرتا جائے تو وہ شکوک وشبہات اور اعتراضات کا گھر بن کر رہ جائے گا۔" (ما شاء اللہ!)

## انصاف پسند بادشاہ

ایک قافلہ دورانِ سفر جنگل میں لٹ گیا۔انہوں نے قریبی گاؤں کے حاکم کو داستان سنائی، لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔قافلہ دوسرے دن دربار شاہی میں فریاد لے کر پہنچا، اس نے سپاہی جنگل میں بھیجے، لیکن ناکام لوٹے۔ پھر اس نے اپنے دو خاص افراد کو بھیس بدل کر اسی جنگل میں درخت کاٹنے بھیجا۔ابھی پہلا درخت ہی کاٹا جا رہا تھا کہ گاؤں کا حاکم انہیں ڈانٹتے ہوئے آ دھمکا۔دونوں نے اس کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔بادشاہ نے کہا:"تمہیں درخت کٹنے کی خبر تو فوراً ہوگئی؛ لیکن قافلے پر ڈاکہ پڑنے کی خبر نہ ہو سکی؟! اگر تین دن تک ڈاکوؤں کو پکڑ کر پیش نہ کیا' تو تجھے سخت سزا ملے گی۔دھمکی سن کر حاکم چلا گیا اور تیسرے دن تمام ڈاکو بادشاہ کے دربار میں حاضر تھے۔یہ بادشاہ شیر شاہ سوریؒ تھا۔

انتخاب:عبدالقدیر خان (بشکریہ از:الحرمین نومبر 2013ء) اختصار:ابومحمد

# ماہ دسمبر کچھ یادیں کچھ باتیں

عبدالرحیم روزی

ماہ ''دسمبر'' کے آتے ہی جسم میں دو حوالوں سے جھرجھری سی پیدا ہوتی ہے۔ایک کا تعلق تو عالمی،قدرتی اور فطری ہے کہ تیز و تند سردی کا احساس ہوتا ہے،اور اس کی لپیٹ میں کائنات کی جملہ مخلوق آجاتی ہے۔جن میں سے نوع انسانی نرم و گرم پوشاک اور بستر کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لیکن دیگر مخلوقات اسی فطرتی لباس میں ملبوس نظر آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی ان تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہونے کے ناتے ان کو سردی اور گرمی سے بچانے کا بہترین نظام پیدا کرتے ہیں۔ان کو اس مقصد کے لیے کباڑی کی کسی دوکان کی طرف جانے کی ضرورت ہے، نہ ہی میٹر و ہیٹر لگانے کی حاجت۔اس حوالے سے تو ہمیں کسی پر شکوہ ہے، نہ گلہ و فریاد۔

لیکن جہاں تک جسم میں ارتعاش اور کپکپی طاری کرنے والے دوسرے محرک کا تعلق ہے، وہ قومی اور علاقائی ہے۔یعنی آج سے ٹھیک ۴۳ برس قبل ''دسمبر ۱۹۷۱ء'' کے ایک اندوہناک واقعے سے اس کی وابستگی ہے۔راقم اس وقت عمر عزیز کی ۶ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ماہ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جو یادیں اور باتیں میرے دل و دماغ میں مرتسم ہیں اور مرتے دم تک بھلانے سے بھی نہ بھولیں گی،ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ بندہ گھر کی چھت پر بیٹھے دیگر خویش و اقرباء کے ساتھ الاؤ سینک رہا تھا۔اتنے میں دریائے شیوک کے عین اوپر مشرقی افق سے گھن گرج اور تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ سفید لڑاکا جہاز یں برق رفتاری کے ساتھ غواڑی کی بائیں طرف سے عقاب کی سی تیزی کے ساتھ مغرب کی خلاؤں میں گم ہوگئے۔غالباً ظہر کے بعد کا وقت تھا۔بڑے لوگ اسے انڈین جہاز قرار دے کر خوف کے مارے خوب دعائیں کرتے تھے۔گھروں کی چھتوں پر جلائے گئے الاؤ بجھانے لگے، تو نہلے پر دہلا یہ ہوا کہ دھواں مرغولے بن کر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے آبادی کی رہنمائی کرنے لگے۔پھر راقم نے سہمے سہمے یہ منظر بھی دیکھا کہ بوڑھے و جوان مل کر دارالعلوم بلتستان غواڑی کی سفید درو دیوار کو مٹی اور گارے سے لپائی کر کے چھپا رہے تھے،تاکہ ادارے کی عمارت انڈین حملہ آوروں سے مخفی رہے۔عام پبلک کا یہ حال تھا کہ ہر ایک اپنی جگہ دعا گو،مساجد اور گھروں میں ختم قرآن کر کے دعائیں مانگتے تھے۔لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ جہاز کہاں یلغار کرنے گئے ہیں۔بہر حال تھوڑی دیر کے بعد واپس پلٹے اور پہلی کی سی سرعت کے ساتھ جہاں سے آئے تھے، اسی طرف چلے گئے۔بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تین جہاز بھارتی سکواڈرن

کے تھے، جنہوں نے سکردو ایئرپورٹ پر راکٹ گرائے، مگر الحمد للہ بہت کم نقصان پہنچا۔ بعض مقامی ذرائع کا کہنا تھا کہ انہوں نے راکٹ گرنے کی آوازیں چالیس میل دور یہاں غواڑی میں بھی سنیں۔ واللہ أعلم بحقیقة الحال

۲۔ دسمبر ۱۹۷۱ء بلتستان کے باسیوں کے لیے ایک المناک مہینہ ہے۔ جب بھی دسمبر آئے گا، درد والم کی ٹیس اٹھے گی۔ ۷۱ء کی اس غیر متبرک جنگ میں چھوربٹ کا بیشتر حصہ جو ۲۳ سال قبل آزاد ہوا تھا، پاکستان سے کٹ کر انڈیا کا حصہ بن گیا، جن میں طورتک، چولونکھا، ٹیاقشی وغیرہ شامل ہیں۔ بندہ کو اچھی طرح یاد ہے کہ ان ایام میں طورتک کے بہت سے لوگ جنگ کا بازار گرم ہونے پر اس کے بھیانک نتائج سے بھاگ کر پاکستانی علاقوں کی طرف ہجرت کر آئے تھے۔ ہمارے یہ مہاجر بھائی بڑی کسمپرسی اور غم واندوہ کا مجسمہ بن کر غواڑی سے گزرتے تھے۔ لوگ ان کی خوب مدارات کرتے، اور ان کا دکھ بانٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہمارے برادر اکبر مولانا محمد موسیٰ اور مولانا عطاء اللہ کے مکان کا دروازہ مسافروں کے لیے کھلا رہتا تھا۔ تھکے ہارے مسافر رات گزارتے اور کھانا مشترک کھالیتے۔ اس وقت سکردو تک میں ہوٹل کا انتظام نہ تھا۔ جنگ کے ان نازک ایام میں علاقہ چھوربٹ طورتک کے چند مسافر ہمارے ہاں ٹھہر گئے، بیچارے بڑے ہی کرب واذیت میں مبتلا تھے۔ بندہ کو اتنا یاد ہے کہ وہ اپنے علاقے کی حالتِ زار کرب والم کے ساتھ بیان کرتے اور اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کرتے تھے۔ بندہ اپنی نوعمری کی وجہ سے زیادہ سمجھ نہ پاتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک ریڈیو بھی تھا، وہ اس سے کان لگا کر خبریں سنتے تھے۔ بالآخر انہوں نے ریڈیو سن کر بار بار ﴿إنا للہ وإنا إلیه راجعون﴾ پڑھا۔ کہنے لگے کہ ہمارا فلاں علاقہ انڈیا کے تسلط میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ﴿إنـــا للہ﴾ پڑھ کر کہا: ہمارا فلاں علاقہ بھی پاک فوج کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح پورا علاقہ طورتک وٹیاقشی وغیرہ بھارتی ریاست کا حصہ بن گئے۔ ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ چھوربٹ کے ایک ایک علاقہ کے نکل جانے کی المناک خبر سننے پر الوداع کہنے والوں کے دل ودماغ پر کیا کیا کیفیتیں گزری ہوں گی! عالم الغیب ہی جانتا ہے۔ بندہ کو اتنا ضرور یاد ہے کہ ان کی جنم بھومی کے ایک ایک حصے کے سقوط کی خبر پر ان کے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی اور چہروں پر کئی رنگ آتے' کئی رنگ بدلتے اور پرچھائیاں چھا جاتیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے استاد محترم اور معروف قلمکار مولانا عبدالرشید صدیقی ؒ کا آبائی وطن بھی یہی علاقہ تھا۔ اس وقت مولانا عبدالرشید مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ یہیں سے وہ غواڑی تشریف لائے اور یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

۳۔ اسی نامسعود جنگ میں نوے ہزار کی غیر معمولی تعداد میں پاک فوج مشرقی پاکستان میں تعینات تھی۔ جب جنرل عبداللہ نیازی نے جنرل اروڑا کے سامنے ۹۰ ہزار افراد کی نمائندگی کرتے ہوئے سرنڈر کیا اور تاریخ میں ریکارڈ قائم کیا کہ

۹۰ ہزار کی بھاری بھرکم فوج نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس زمانے میں موضع غواڑی کا پہلا آرمی سپاہی اقبال ولد ماسٹر عبداللہ مرحوم بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ انڈیا کی تحویل میں کئی سال تک قید و بند میں رہے۔ ان سالوں میں ان کے والد ماسٹر عبداللہ (مرحوم) جامع اہلحدیث یول میں بار بار نماز جمعہ کے بعد دلسوزی اور سیل رواں آنکھوں کے ساتھ اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے اور لوگ آمین کہتے تھے۔ لوگوں سے اپیل بھی کرتے کہ بیٹے اقبال کی رہائی کے لیے آپ بھی دعا کریں۔ ماسٹر صاحب کو اپنے بیٹے کی رہائی کا اتنا ہی یقین تھا جتنا کہ رات کے بعد صبح کی آمد کا یقین ہوتا ہے۔ اس حوالے سے خوب صدقہ خیرات بھی کرتے تھے۔

بالآخر پانچ چھ سالوں کی دعائیں رنگ لائیں اور اقبالؒ صاحب کو دشمن کی قید سے رہائی ملی۔ ہم نے دیکھا کہ موصوف بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اور ماسٹر عبداللہؒ کی اپنے لخت جگر کی رہائی پر خوش دیدنی تھی۔ اگلے سالوں میں دونوں بیٹوں کی شادی کرادی گئی۔ اس خوش کن موقع پر حاجی عبداللہ صاحب نے شکرانے کے طور پر پانچ سو آبادی والے پورے علاقہ غواڑی کو دو ٹائم کھانا کھلایا۔ انتظام وانصرام کے لیے ہر محلّہ کے سرکردگان کو مامور کیا گیا تھا۔ یہ امر اچھی طرح یاد ہے کہ غواڑی کے سرکردگان حاجی ابوذر، حاجی ثناء اللہ، غلام، محمد علی و دیگر عہدیداران نے بروقت حاضر ہو کر بخیر و خوبی اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ حاجی عبداللہ صاحبؒ خود بھی موضع غواڑی کے سرکردگان کی کمیٹی کا صدر تھا۔ اور نہایت خوش اسلوبی سے معاشرے کی اصلاح کرتے تھے۔ آج بھی عوام وخواص صدر عبداللہ مرحوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

۴۔ پانی اور ہر چیز کو سیسے کی دیوار کی طرح بنا دینے والے اسی ماہ دسمبر کی چھ تاریخ اور سال ۱۹۹۲ء میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے خون خشک کرنے والی خبر اس طرح سنائی گئی کہ ہزاروں انتہا پسند جنونی ہندوؤں نے چار سو سال پرانی بابری مسجد کو شہید کر دیا۔ اور اس کے نتیجے میں ایک بار پھر ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کی یادیں تازہ ہو گئیں، اور خونِ مسلم سے خوب ہولی کھیلی گئی۔ آج تک عظیم بادشاہ ظہیر الدین بابر کی بنائی ہوئی یہ مسجد ملبوں کا ڈھیر بنی ہوئی بزبانِ حال تمام مسلمانانِ عالم کو پکار پکار کے رہائی دے رہی ہے کہ کب پتھر کے ان ٹکڑوں کو جوڑ کر اس قدیم تاریخی مسجد کو آباد کر کے اس کے بانی ظہیر الدین بابر کے "صدقے" کو دوبارہ "جاریہ" کرایا جائے گا!؟

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے     آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

۵۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کا سقوط مشرقی پاکستان ہو یا سقوط طور تک (چھور بٹ)، سقوط اندلس ہو یا سقوط بغداد ہر کہیں دیگر عوامل کے ساتھ ایک مشترکہ سبب یہی پایا جاتا ہے "حکمران طبقے کی کوتاہ بینی، طرب ونشاط اور ناقص منصوبہ بندیاں" ان کے